اسد محمد خان کے افسانوی تراجم کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد سلیمان، لیکچرار شعبہ اُردو، اسلامیہ کالج پشاور

ڈاکٹر شہاب الدین، لیکچرار شعبہ اردو، اسلامیہ کالج پشاور

ڈاکٹر تقویم الحق، لیکچرار شعبہ اردو، اسلامیہ کالج پشاور

ABSTRACT:

In literary world, Asad Muhammad Khan needs no introduction. He is a well-known fiction writer. There is no doubt that he has written so many beautiful short stories and some of them have been generously praised by various critics. In spite of this, he is also an excellent poet, lyricist, sketch writer, travel writer and translator. He has also received praise for his literary translations from many legends (of literary world). He was inclined towards translation since his student days. He continued to publish his translations in various literary magazines and digests along with creating fiction. His translations include translations of fiction from Russian, Afrikaans, Hindi, English and other languages. Like a professional translator, he followed all the rules of the art of translation and wherever he felt the need, he himself made quality additions in these rules. He has full command on both Urdu and English languages, so he skillfully translated these short stories. He does not encroach in the original text and do not alter the basic essentials like plot and characters from his side. However, where he felt the need to explain the meaning in simple words, then he has made it easier for the readers. He gives priority to continuity and smoothness in his translations and he has used his best art wherever artistically required.

Keywords: sad Muhammad Khan, Translation, fiction, short stories, Narrative, musk deer, prayer of war, English, Russian, Afrikaans, Hindi, Marathi, Fiction translation

کلیدی الفاظ: اسد محمد خان، ترجمہ، افسانوی ادب، افسانہ، بیانیہ، مشکی ہرن، دعائے جنگ، انگریزی، روسی، افریقی، ہندی، مراٹھی، افسانوی ترجمہ

اسد محمد خان کا نام ادبی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ بیک وقت ایک افسانہ نگار، نظم گو، گیت نگار، افسانہ نگار، سفر نامہ نگار اور مترجم ہیں۔ انھوں نے زمانۂ طالب علمی ہی سے انگریزی ادب کو پڑھنا شروع کیا تھا۔

انھوں نے براہِ راست انگریزی زبان اور انگریزی کے توسط سے مغرب کی دوسری زبانوں کے افسانوں کا ترجمہ کیا ہے۔ فنی نقطۂ نظر سے انھوں نے ترجمہ نگاری کے بہترین نمونے پیش کیے ہیں۔ ان کی تخلیقات کے مجموعوں میں کل گیارہ ترجمہ شدہ افسانے اور آٹھ ترجمہ کی ہوئی نظمیں شامل ہیں۔ انھوں نے انگریزی کے توسط سے جن زبانوں کے ادب کے کو اردو میں ترجمہ کیا ہے، ان میں روسی، افریقی، مراٹھی، ہندی اور جرمن زبانیں شامل ہیں۔ عنوانات درج ذیل ہیں:

۱۔ دستِ خداوند کی تحریر/ جورج لوئیس بورخیس

۲۔ دوبربنیا/ نجادِابریشیموچ

۳۔ موت کا کلوزاپ/ سلاوینکادراکولیچ

۴۔ بوسنیا کا بخار/ عرفان ہوروزووچ

۵۔ ہملٹ وائلڈ ویسٹ میں/ جولین بارنز

۶۔ ۲ مئی ۱۹۴۲ء/ آئی وو آندرِچ

۷۔ لووینا/ حوان رلفو

۸۔ دعائے جنگ/ مارک ٹوئین

۹۔ جنگل (اڈیسہ)/ منوج داس

۱۰۔ مشکی ہرن (مراٹھی)/ ولاس سارنگ

۱۱۔ کورس (ہندی)/ دودھناتھ سنگھ

اگر مترجم اعلیٰ درجہ کی تخلیقی صلاحیت کا مالک ہو اور ترجمہ دیانت داری سے کرے تو اس کا ترجمہ اصل تخلیق سے زیادہ وقیع فن پارہ بن سکتا ہے۔ اس لیے کہ ترجمہ کے عمل میں دو تخلیقی جوہر بروئے کار ہوتے ہیں۔ ایک مصنف کا اور دوسرا مترجم کا۔ اسد محمد خان نے انگریزی زبان کے افسانوں کا اردو میں ترجمہ کر کے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک ماہر مترجم کی طرح وہ کسی تصنیف کی معنوی یا فنی اہمیت کے پیش نظر اسے اپنی یا ترجمہ کی زبان مین پوری دیانت سے منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن چوں کہ کسی بھی تصنیف یا تخلیق کے تار و پود میں صرف معنوی نہیں بلکہ تہذیبی، تخیلی اور لسانی عوامل باہمی طور پر شیر و شکر ہوتے ہیں اس لیے دیانت دارانہ ترجمہ کرنا، تخلیق کے مقابلے میں زیادہ نازک، پیچیدہ اور ذمہ دارانہ کام ہے۔ ایک معیاری اور ادبی ترجمے کے حوالے سے نقادوں کی مختلف آراء ہیں۔ ڈاکٹر قمر رئیس اپنی مرتب کردہ کتاب "ترجمہ کا فن اور روایت" کے مقدمے میں لکھتا ہے:

''اس میں دو رائیں نہیں کہ ہر تخلیقی فن پارہ میں کچھ ایسے عناصر ہوتے ہیں جو دوسری زبان میں خاص طور پر ایک مختلف تہذیبی ماحول کی پروردہ زبان میں بجنسہٖ منتقل نہیں کیے جا سکتے۔''(۱)

اعجاز راہی اپنی مرتب کردہ کتاب "اردو زبان میں ترجمے کے مسائل" کے مقدمے میں لکھتا ہے:

''دوسری اقوام کی ترقی وارتقا کے عمل کو جاننے اور سیکھنے کے لیے ترجمہ نے ہمیشہ سفارتی پُل کا کام دیا ہے۔''(۲)

نثار احمد قریشی اپنی مرتب کردہ کتاب "ترجمہ روایت اور فن" کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

''ترجمہ ہر دور میں ہر زبان کی اہم ترین ضرورت رہا ہے۔ یہ مختلف قوموں، زبانوں اور ثقافتوں کے درمیان پڑے ہوئے اجنبیت کے پردے چاک کرکے انہیں ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔''(۳)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی کتاب "اصنافِ ادب" میں ترجمہ کے حوالے سے لکھتا ہے:

''ترجمہ نگاری کو کسی زبان کی ترقی میں زبردست دخل ہوتا ہے۔ دیگر زبانوں کے بلند پایہ علمی وادبی، تحقیقی و تنقیدی اور دیگر فنی شاہکاروں کو اپنی زبان میں منتقل کرنا بڑی علمی خدمت ہے۔''(۴)

صفدر رشید اپنی مرتب کردہ کتاب "فنِ ترجمہ کاری" کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

''کامیاب مترجم صرف وہ نہیں جو دونوں زبانوں سے شناسائی رکھتا ہو بلکہ وہ ہے جو source language کی تہذیب اور روایات سے نہ صرف شناسا ہو بلکہ ایک گونہ اس سے لگاؤ بھی رکھتا ہو۔ کلچر کو سمجھے بغیر معنی تک پہنچنا بعض اوقات محال ہو جاتا ہے۔''(۵)

ان تمام ناقدین کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمے کا فن انتہائی اہم فن ہے اور ترجمے کی اہمیت، تخلیق سے کسی صورت کم نہیں، اس لیے ترجمے کے لیے recreation کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور ترجمے ہی کی بدولت دوسری اقوام اور تہذیبوں کے افکار اور اقدار سے آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ سوچنے کا ایک حصہ ابلاغ کے دوران کھو جاتا ہے جس سے قاری کو تفہیم میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مغرب کی ادبی تحریکوں اور اصناف نے اردو کو بے حد متاثر کیا اور یہ اثرات زیادہ تر تراجم ہی کی بدولت تھے۔ ایک کامیاب ترجمہ وہ ہوتا ہے جو اصل کے مطابق ہو اور خلاقانہ شان رکھتا ہو۔ مطلب یہ کہ مترجم اصل فن پارے کو اپنی زبان میں دوبارہ تخلیق کرتا ہے۔ مترجم دونوں زبانوں یعنی اصل زبان اور ترجمے والی زبان کے آہنگ کو جتنی خوبی سے سن سکے گا، اتنا ہی عمدہ ترجمہ کر سکے گا۔ خلاق مترجم کی صفت یہ ہے کہ جس زبان سے وہ ترجمہ کر رہا ہے، اس کے ادب اور ادبی روایات سے پوری طرف واقف ہو۔ مترجم کو ترجمے والی زبان میں محسوس کرنے اور سوچنے پر قدرت حاصل ہونی چاہیے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو اسد محمد خان نے انگریزی اور دوسری زبانوں سے جتنے بھی تراجم کیے ہیں، خاص کر افسانوں کے تراجم، تو وہ اس کو پوری گہرائی سے سمجھ سکے ہیں۔ انھوں نے زمانہ طالب علمی ہی میں انگریزی زبان و ادب کو پڑھنا شروع کیا۔ کراچی میں اپنے طالب علمی کے زمانے میں وہ ماسکو سے نکلنے والے انگریزی جریدہ "رشین لٹریچر (Russian Literature)" کا بھی قاری تھا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''میں نے USSR کی حیات مستعار میں رشین لٹریچر کی committed کہانیاں اور نظمیں خوب پڑھی ہیں۔'' (۶)

اسی طرح ۱۹۶۵ء میں ان کو برطانیہ کے لیے ایک پروگرام میں خبروں کا ترجمہ کرنے اور نشر کرنے کی پیش کش ہوئی۔ اس دوران مشہور افسانہ نگار غلام عباس کی بیگم کرسٹین عباس سے ملاقات ہوئی، جنھوں نے لندن پر جرمنوں کی بمباری کا زمانہ دیکھا تھا، دونوں ہٹلر کی سوانح ''Mein Kanf'' ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں انھوں نے امریکی سفارت خانے کے لیے مختصر فلموں کے اسکرپٹ ترجمہ کرنا شروع کیا۔ سینیگال کے اس وقت کے صدر لیوپولڈ سینگھور پر ایک فلم انھیں ترجمہ کرنے کو ملی۔ اس فلم نے عالمی ادب خصوصاً افریقی ادب کے بارے میں ان کے خیالات کو نئی جہت عطا کی اور انھوں نے وولے سوئنکا کی تحریروں میں دلچسپی لینی شروع کی۔ اسی طرح افریقیوں پر لکھے گئے ایک ناول کے متعلق اسد محمد خان لکھتے ہیں:

> ''سن ۷۷/۱۹۷۶ء میں ایک امریکی مصنف Alexhaly نے اپنے ناول ''Roots'' کی اشاعت سے خاصہ تہلکہ مچا دیا تھا۔ کتاب میں براعظم شمالی امریکا میں پکڑ کر لائے گئے افریقیوں کی بپتا بیان کی گئی ہے۔'' (۷)

اس طرح اسد محمد خان نے زمانہ طالب علمی ہی میں نہ صرف انگریزی زبان پر عبور حاصل کر لیا بلکہ رشین، افریقی اور انگریزی ادب سے بھی اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لی۔

اسد محمد خان کے ترجموں کا تقابلی تجزیہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کے ساتھ ساتھ وہ انگریزی ادب کی زبان اور اس کی تہذیب سے بھی واقف ہیں۔ ان کے افسانوی تراجم تخلیقی ترجموں کی عمدہ مثالیں ہیں۔ افسانوں کے تراجم میں انھوں نے اصل تحریر میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ وہ مفہوم کی وضاحت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ ایک ایک جملے کا ترجمہ مناسب الفاظ و تراکیب کے ذریعے کرتے ہیں۔ کہیں کہیں وہ اپنی طرف سے وضاحت کے لیے بعض جملوں اور الفاظ کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں مگر اس سے اصل تحریر کا حُسن ضائع ہونے کے بجائے اور زیادہ نکھر جاتا ہے۔ مثلاً مارک ٹوئین کی کہانی 'دعائے جنگ' سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "The country was up in arms, the war was on, in every breast burned the holy fire of patriotism; the drums were beating, the bands playing, the toy pistols popping, the bunched fire crackers hissing and splattering, on every hand and far down the receding and fading spreads of roofs and balconies a fluttering wilderness of flags flashed in the sun."

ترجمہ: ملک ہتھیار بند ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جنگ جاری تھی۔ لگتا تھا ہر دل میں حب وطن کی آگ روشن ہے۔ ادھر نقارے پر چوب پڑتی تھی، ادھر بینڈ بج رہے تھے۔ کہیں کھلونا پستول پھٹ پھٹ کرتے اور پٹاخے سلگتے چٹختے تھے۔ ہر ہاتھ میں جھنڈا تھا، دور تک جاتی چھتوں چوباروں کی دھندلی پڑتی بچھات پر لہراتے پرچموں کا ایک دشت بے نہایت دھوپ میں پڑا اشکتا تھا۔ (دعائے جنگ)

مذکورہ ترجمے میں ادھر، ادھر کہیں یہ الفاظ اسد محمد خان کے اضافہ کردہ ہیں۔ اس سے اصل متن کے مفہوم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے بلکہ ان اضافوں سے منظر مزید نکھر کر سامنے آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس اقتباس میں the receding and fading spread کا ترجمہ 'دھندلی پڑتی بچھات' کیا گیا ہے جبکہ receding کے لغوی معنی پسپا ہونے یا پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ اسی طرح wilderness کا لغوی معنی ویرانہ جنگل ہے جبکہ انھوں نے دشتِ بے نہایت کی ترکیب وضع کی ہے جو بالکل موضوع کے مطابق ہے۔

اسی طرح ایک اور مثال ان کے ترجمہ شدہ افسانے 'دستِ خداوند کی تحریر' سے ملاحظہ ہو:

> "O bliss of understanding, greater than that of imagining or feeling! I saw the universe and saw the intimate designs of the universe. I saw the origins narrated in the book of common. I saw the mountains that rose from the water, I saw the first men of wood."

ترجمہ: تصور کرنے یا محسوس کرنے کی مسرت کے مقابلہ میں علم وآگہی کی مسرت کس درجہ بڑی ہوتی ہے۔ میں نے کل ممکنات کو دیکھا۔ میں نے کائنات کے مخفی نقش دیکھے۔ میں نے مبداء وماخذ دیکھے کہ کتاب صلاح میں جن کا بیان ہے۔ میں نے پہاڑیاں دیکھیں جو پانیوں پر سے اٹھی تھیں۔ میں نے دشت کے پہلے انسانوں کو دیکھا۔"

مذکورہ انگریزی اقتباس میں نثر جس قدر علمی، فکری اور تخلیقی ہے، اسد محمد خان نے ترجمہ کرتے وقت اسی فکر سے مملو تخلیقی نثر تشکیل دی ہے۔ مثلاً Bliss of understanding کا ترجمہ علم وآگہی کی مسرت، universe کے لیے ایک جگہ کل ممکنات اور intimate design of the universe میں کائنات کے مخفی نقش، book of common کے لیے کتابِ صلاح، men of wood کے لیے دشت کے انسان کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ان میں کوئی بھی ترجمہ لفظی نہیں۔ اس موقع پر انھوں نے بالکل مناسب الفاظ میں اس کا فکر سے بھرپور ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے ترجمہ کرتے وقت اصل مصنف کے لہجے کا بھی خیال رکھا ہے اور اس میں بلاضرورت کوئی تبدیلی نہیں کی۔ انھوں نے اصل متن کے مطابق ہی الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔

اسد محمد خان ایک ماہر مترجم کی طرح اصل متن کے اندازِ بیان اور تکنیک کا بھی پورا خیال رکھتے ہیں۔ انھوں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ بیان کا انداز یا تکنیک اسی طرح ہو جس طرح اصل متن میں اختیار کی گئی ہے۔ مثلاً کہانی 'لووینا' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو جو اعتراف کی تکنیک form of confession میں تشکیل دی گئی ہے۔

> "Look you and that mind blowing over Luvina. It is brown. They say that drags sand volcano but the truth is that it is a black air. You'll see. It is planted in Luvina setting himself on things like the bite. And too many days when the roof of the houses is carried as if a straw

that will take, leaving smooth walls descobijados.”

ترجمہ: ہوا کو، جو لوویناپر سے گزرتی ہے، تم دیکھ بھی لوگے۔ اتنی تاریک ہے وہ۔ لوگ کہتے ہیں وہ آتش فشاں کی ریت سے اٹی رہتی ہے، جو بھی ہو، وہ کالی ہوا ہے۔ میں نے کہا نا تم دیکھ ہی لوگے، چیزوں کو وہ ایسے پکڑتی ہے، جیسے بس انھیں دانتوں سے کاٹنے والی ہو۔ بہت دن تو ایسے ہوتے ہیں جب وہ مکانوں کی چھتوں کو یوں اٹھا لیتی ہے گویا چھتیں نہیں ہیٹ ہیں اور اس نے انھیں اٹھا کے دیواروں کو برہنہ سر کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ اسد محمد خان نے ایک منجھے ہوئے مترجم کی طرح بامحاورہ زبان بھی استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے ترجمے میں تخلیقیت کی شان پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً

The church was filled, گرجا گھر میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی (دعائے جنگ)

The burden of its supplication was, اس التجا میں ٹیپ کا بند یہ تھا (دعائے جنگ)

Three days of wandering left musk deer in a state of exhaustion,

مشکی ہرن تین دن تک ٹامک ٹوئیاں مارتا رہا، وہ اب تھک کے چور ہو چکا تھا۔ (مشکی ہرن)

Why do you take all this trouble, کائے کو کھکھیڑا اٹھاتے ہو صاحب (مشکی ہرن)

مذکورہ مثالوں میں تل دھرنا، ٹامک ٹوئیاں مارنا، تھک کے چور ہونا اور کھکھیڑا اٹھانا محاورے کی زبان ہے۔

اس طرح افسانوں میں روئیداد (Description) کا ترجمہ کرتے ہوئے بھی اسد محمد خان صفات اور تشبیہات کے لیے انتہائی مناسب، موزوں اور موقع محل کے مطابق الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

کہانی 'مشکی ہرن' میں روئیداد (Description) کے ترجمے میں اسد محمد خان کا فن کمال پر نظر آتا ہے۔ اس کہانی کا مکان ہندوستان کا شہر بمبئی ہے اور اس شہر کی تہذیبی و معاشرتی رویوں سے وہ پوری طرح آگہی رکھتے تھے۔ بقول عبدالرحمٰن:

> ”کہانی مشکی ہرن، ترجمے سے زیادہ اسد صاحب کی تخلیق معلوم ہوتی ہے۔“(۸)

کہانی 'مشکی ہرن' مراٹھی زبان میں لکھی گئی ہے لیکن اسد محمد خان نے اسے انگریزی سے ترجمہ کیا ہے۔ بمبئی کی تہذیب و معاشرت، زبان سے وہ پوری طرح واقفیت رکھتے تھے۔ اس لیے اس نے اس کہانی کے تمام کرداروں میں حقیقت کے رنگ بھر دیے ہیں اور مکانی طور پر کہانی یعنی ترجمہ اصل کہانی سے بالکل مطابقت رکھتی ہے۔ کہانی

کے چاروں کردار یعنی مشکی ہرن، واگھماڑے، بنسی لال اور نارائن کے مکالموں میں انھوں نے تخلیقی رنگ بھر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "Must've been some rotting bastard of a parsi", Bansi lal said, Messed up my stomach. "well, are you okay now?" Musk Deer asked, "I'm getting better, Sahib", Bansi lal said, "I am weak, as I said, But I'll be able to go out in two or three days."

ترجمہ: بنسی کہنے لگا۔ کوئی حرام کا سڑیلا پارس ہوئیں گا۔ میرے پیٹ کا کباڑا کر دیا سالے نے۔ مشکی نے پوچھا، اب تو ٹھیک ہے ناتو۔ ہو، برو بر ٹھیک ہوئیلا ہے صاحب، ابی کم جوری ہے۔ دو تین روج میں نکلنے جوگا ہو جائیں گے صاب۔

اسد محمد خان نے انگریزی زبان پر عبور زمانۂ طالب علمی ہی حاصل کیا تھا۔ اس کے علاوہ جب وہ لاہور سے کراچی منتقل ہو گئے اور سکونت اختیار کی تو اس زمانے میں انھوں نے انگریزی ادب میں کراچی یونیورسٹی سے ماسٹر کرنے کے لیے داخلہ لیا مگر بد قسمتی سے مالی حالات نے مزید آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی اور ایم اے (سالِ اول) میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد پڑھائی ادھوری چھوڑ کر تلاشِ معاش کی فکر میں لگ گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اس زمانے میں روسی ادب کا اچھا خاصا مطالعہ کیا اور کئی نامور ادیبوں اور ناول نگاروں کی تخلیقی شہکار کو اپنی بساط کے مطابق پڑھا اور سمجھا۔ اسی زمانے میں انھوں نے روسی ادب سے انگریزی میں ترجمہ شدہ کہانیوں کا اردو میں ترجمہ کیا جن میں 'دوبرینیا' جسے روسی مصنف نجادابریشموچ نے تخلیق کیا ہے، کا کامیاب اردو ترجمہ کیا۔ اس طرح سلاوینکا درا کو لیچ کی تحریر 'موت کا کلوزاپ' کا بھی اردو میں کامیاب ترجمہ کیا۔ مشہور روسی ادیب عرفان ہوروزووچ کی کہانی کا اردو میں 'بوسنیا کا بخار' کے نام سے ترجمہ کیا۔ اسی طرح ایک اور ادیب آئی وو آندرچ کی تحریر کا '۲ مئی ۱۹۴۲ء' کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ اڑیسہ سے تعلق رکھنے والے ادیب منوج داس کی کہانی 'جنگل' کے نام سے ترجمہ کیا۔ ایک اور ہندوستانی ادیب دودھناتھ سنگھ کی ہندی زبان میں لکھی گئی تحریر کا 'کورس' کے نام سے کامیاب ترجمہ کیا۔ مشہور شہرۂ آفاق ادیب جولین بارنز کی تحریر کو 'ہملٹ وائلڈ ویسٹ میں' کے نام سے اردو میں ترجمہ کر کے اپنی ہنر مندی کا ثبوت دیا۔ الغرض انھوں نے ان تمام افسانوی تراجم میں حقیقت کا رنگ بھر کر اسے تخلیق کے قریب تر درجے پر فائز کر دیا ہے اور صحیح معنوں میں ان تراجم میں recreation کی روح سمودی ہے۔

اسد محمد خان نے نا صرف ان زبانوں سے اردو میں تراجم کیے بلکہ خود اس کی اپنی تحریریں مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوتی رہی جن میں انگریزی، ہندی، گجراتی، پنجابی، مراٹھی اور دوسری مختلف زبانیں شامل ہیں۔ چنانچہ وہ خود اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> "Oxford University Press نے ۲۰۰۲ء میں اپنے سلسلے Pakistan Writers Series کے تحت چھٹی کتاب "The Harvest of Anger & other stories" شائع کی، جو میری ۱۲ کہانیوں کے انگریزی تراجم پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے اسی ادارے نے آصف فرخی کی مرتب کردہ ایک انتھولجی "Fires in an Autumn Garden" کے عنوان سے شائع کی تھی، جس میں میری ایک کہانی کا ترجمہ شامل کیا گیا تھا۔"(۹)

مشہور ادیب Mark Twein's کی مشہور 'short story 'A War Prayer کا اردو میں 'دعائے جنگ' کے عنوان سے کامیاب ترجمہ کیا اور ترجمے میں تخلیقی روح بھر دی۔ 'A War Prayer' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس کا ترجمہ انھوں نے 'دعائے جنگ' کے نام سے کیا ہے۔

> "There young faces a light with martial dreams. Visions of the stern advance, the gathering momentum, the Rushing Charge, the flashing sabers, the flight of the foe, the tumult, the enveloping smoke, the fierce pursuit the surrender them home from the war, Bronze heroes welcomed, adored, submerged in golden seas of glory."

ترجمہ: ان کے چہرے حقیقت کے رنگوں میں رنگے ہوئے خوابوں سے روشن تھے جن میں سخت پیش قدمی اور رفتار پکڑتی، لپکتی یلغار اور لشکتی شمشیروں کی تصویریں تھیں اور شور و غوغا کے اور غنیم کے سپاہیوں، گھیرے ہوئے دھویں اور غضب ناک تعاقب سے لے کر ہتھیار ڈالنے تک کے زندہ مناظر تھے۔ ان خوابوں میں میدانِ جنگ

سے گھر لوٹتے دلاوروں کے سنولائے ہوئے چہرے تھے کہ جن کے سواگت میں خوب جے جے کار ہوئی تھی، جنھیں خوب سراہا گیا تھا، جنھیں عظمت واقبال مندی کے سنہرے سیلاب میں گلے گلے ڈبودیا گیا تھا۔(دعائے جنگ)

اسد محمد خان نے ایک ماہر مترجم کی طرح دونوں زبانوں یعنی اصل زبان اور ترجمہ والی زبان کے آہنگ کو سنا، اور اسی کے مطابق اس کا ترجمہ کیا۔ایک خلاق مترجم کی طرح انھوں نے جس زبان کے ادب سے بھی ترجمہ کیا، پہلے اس زبان کے ادب اور ادبی روایات سے پوری طرح واقفیت حاصل کی۔یہی نہیں بلکہ اس میں اصل زبان کی تخلیق کو محسوس کرنے اور سوچنے پر قدرت حاصل ہے۔اس خصوصیت کو 'مشکی ہرن' کے ترجمہ سے قارئین بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔

جہاں تک اسد محمد خان کے روسی افسانوں کے تراجم کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں وہ رابرٹ لاول 'Robert Lowel' اور آڈن 'Audin' کی طرح ہیں جو روسی نہیں جانتے تھے لیکن انھوں نے روسی سے انگریزی میں بعض عمدہ ترجمے کیے ہیں۔اس سلسلے میں شمس الرحمان فاروقی اپنے مضمون 'دریافت اور بازیافت' میں لکھتے ہیں۔

> ''ہم صرف مادری زبان ہی میں خود کو پوری طرح غرق کر سکتے ہیں اور
> اس طرح غرق ہوئے بغیر زبان میں خلاقانہ فکر کو حاصل کرنا ممکن
> نہیں۔''(۱۰)

اسد محمد خان کے تراجم کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ مغربی فکشن پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ان کے پاس ترجمہ کرنے کا تجربہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اردو کے لفظی اثاثے سے بھی کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں اور لفظ تراشی کا خاص ملکہ رکھتے ہیں اور یہ سب باتیں تراجم کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ انگریزی کے ادبی لفظیات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔اس سلسلے میں اردو کے مشہور نقاد حسن الدین احمد اپنے مضمون 'فنِ ترجمہ' میں لکھتا ہے:

> ''ترجمہ کا کمال یہ ہے کہ وہ نہ صرف اصل عبارت کا درست لفظی ترجمہ
> ہو بلکہ مصنف کے نظریات، معتقدات، تصورات اور احساسات کی صحیح
> ترجمان بھی ہو۔''(۱۱)

اس تعریف کی روشنی میں اگر اسد محمد خان کے تراجم کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اصل تصنیف کے خالق کے نظریات اور احساسات سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔وہ ایک ماہر مترجم کی طرح موضوع

سے بھی گہری واقفیت رکھنے والے ادیب ہیں۔ وہ اصل متن کے پس منظر سے پوری آگہی حاصل کرتے ہیں کیونکہ مترجم کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ وہ بالطبع ذہین ہو اور اس نے اصل متن کی روح کو پالیا ہو اور پھر اصل کو اپنے مزاج کے مطابق نیا قالب دینے پر قادر بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ میں تخلیق کو از سر نو پالیا جاتا ہے۔ وہ ان تمام باریک بینیوں سے نہ صرف اچھی طرح واقف ہیں بلکہ وہ ترجمہ کرتے وقت ان باتوں کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ 'مشکی ہرن' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "At a railway station Musk Deer saw a man in a dark suit, wearing dark glasses. On Bose road, he saw a taxicab with its wood opened like a jaw, and the cabman peering into it. He saw an old man at a crossing waiting for the lights to turn green, who looked as he had been waiting forever."

ترجمہ: کسی ریلوے اسٹیشن پر مشکی ہرن کو گہرے رنگ کا سوٹ پہنے اور کالا چشمہ لگائے ایک آدمی نظر آیا۔ بوس روڈ پر اس نے ٹیکسی دیکھی جس کا بڑ جبڑوں کی طرح کھلا ہوا تھا اور ٹیکسی والا اس میں سر ڈالے کھڑا تھا۔ اس نے کراسنگ پر ایک بڈھا دیکھا جو ٹریفک لائٹ کے سبز ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ لگتا تھا بڈھا ہمیشہ سے اسی طرح انتظار کر رہا ہے۔

اس اقتباس میں چھوٹے چھوٹے جزئیات کے ذریعے افسانہ نگار نے صرف کسی منظر کا نقشہ نہیں کھینچا ہے بلکہ اس نے پورے شہر کو آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح پردے پر گزرتے ہوئے دکھایا ہے۔

ایک زبان کے تخلیقی ادب کو دوسری زبان میں منتقل کرنا بڑا نازک اور دشوار کام ہے۔ ترجموں ہی کی بدولت کسی زبان کے ادیبوں کو نئے ادبی اقدار ملتے ہیں اور اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی مروجہ قدروں اور نئی قدروں میں کس قدر فرق ہے۔ اس طرح اپنی کمزوریوں کا جائزہ لینے کا موقع بھی ملتا ہے۔

ترجمانی کے ذریعے مصنف کے خیالات کے نفسیاتی محرکات تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے یعنی قاری یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ کون سا مسئلہ ہے جس نے مصنف کو متذکرہ متن تحریر کرنے کے لیے مجبور کیا۔ اس حوالے سے اسد محمد خان کے تراجم کا جائزہ لیا جائے تو قاری انتہائی آسانی سے مترجم کی ذہنی کیفیات تک پہنچ سکتا ہے۔

ادبی تراجم میں نثری ادب کے بہت سے عمدہ ترجمے ہوئے ہیں۔ مشہور مترجمین میں مجنوں گورکھپوری، شاہد احمد دہلوی، عبدالمجید سالک، عزیز احمد، غلام عباس، اختر حسین رائے پوری، قاضی عبدالغفار کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان مترجمین نے، جو خود بھی اعلیٰ پائے کے ادیب تھے، نثری ادب کے بہت سے تسلی بخش ترجمے کیے ہیں اور اردو کے دامن کو مالا مال کر دیا ہے۔

اسد محمد خان نے زیادہ تر بامحاورہ نثری تراجم کیے ہیں۔ نثری ترجمے میں اصل محاورے کی ترجمانی بھی اپنی جگہ ایک افادی پہلو رکھتی ہے۔ اگر ترجمے کی غرض و غایت ادبی و تخلیقی ہو تو یہ شرط اور زیادہ دشوار ہوتا ہے کیونکہ تخلیق میں تو فکر آزاد ہوتا ہے اور ترجمے کی صورت میں اصل کے ساتھ رشتہ بنائے رکھنا ہوتا ہے۔ وہ انتہائی آسانی سے اس مشکل مرحلے کو طے کرتا دکھائی دیتا ہے اور بالکل فطری انداز میں ترجمے کی روانی سے گزر کر تخلیق کی حدود میں قدم رکھتے ہیں یعنی وہ پابند ہونے کے باوجود بعض معاملوں میں بالکل آزاد ہے۔

مختصراً، اس بحث سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسد محمد خان نے جس طرح تخلیقی ادب میں نام پیدا کیا ہے اور کئی بہترین اور شہکار افسانے تخلیق کیے ہیں بالکل اسی طرح انھوں نے تراجم کرتے وقت نا صرف ایک ماہر مترجم کی طرح فن ترجمہ نگاری کے تمام اصولوں کو سامنے رکھ کر ادبی تراجم کیے بلکہ اس میں تخلیقی شان پیدا کر کے قاری کے لیے اسے دلچسپ اور پڑھنے کے قابل بنا دیا ہے۔ عالمی ادب اور خاص کر کلاسیکی ادب پر اس کی گہری نظر تھی اور یہ شعور اسے ترجمہ نگاری کی دنیا میں ایک کامیاب مترجم کے طور پر متعارف کراتا ہے۔ ان کے ادبی تراجم کو یکجا کر کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بامحاورہ زبان استعمال کی ہے۔ روز مرہ، ضرب الامثال، تشبیہات، استعارات و کنایات اور رموز و علامات سے بھی کام لیا ہے، جس سے ترجمے میں خود بخود ایک ادبی رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور ترجمہ ایک طبع زاد تحریر معلوم ہونے لگتی ہے۔ بیان کے متین و شگفتہ اور متعدد پیرائے اردو میں موجود ہیں البتہ انھیں برتنے کے لیے مترجم کی علمی استعداد کی ضرورت بہر حال رہتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ معیاری ادب سے خوب واقفیت ہونی چاہیے۔ انھوں نے ہر کہانی کا ترجمہ کرتے وقت اس اصول کو مد نظر رکھا۔ اس نے ترجمہ کرتے وقت اس کو ملحوظ خاطر رکھا کہ کسی طرح بھی اصل متن کا چہرہ مسخ نہ ہو اور ترجمے کا پورا پورا حق بھی ادا ہو جائے۔ وہ بذاتِ خود ایک صاحبِ اسلوب ادیب ہے، اس لیے اس نے نہ صرف ترجمہ شدہ مواد کا مطالعہ کیا بلکہ قاری کے ذہن تک اس کی رسائی ممکن بنائی۔ ان کے کیے ہوئے تراجم کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس آہنگ اور مزاج کا خاص خیال رکھتے ہیں جو اصل متن میں موجود ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ زبان کی سلاست و روانی اور موضوع و مفہوم کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ابہام کا شبہ

نہیں رہتا یعنی قاری کو ترجمہ پڑھتے وقت اصل کتاب کا مطالعہ کرنے کی خواہش نہیں ہوتی اور وہ مترجم کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اسد محمد خان کا مطالعہ انتہائی وسیع ہے اور اس خوبی نے بھی ان کے ترجموں میں ایک آفاقی شان پیدا کر دیا ہے۔ وہ ایک ماہر مترجم کی طرح اپنے اندازِ بیان، لب و لہجے، ذاتی عقل و شعور اور فہم و ادراک سے ایک نسبتاً کم مایہ تصنیف کو بھی بامِ عروج پر پہنچا دیتا ہے۔ وہ ایک اچھے اور مستند مترجم کی طرح وہی لفظ استعمال کرتا ہے جو موقع و محل کی مناسبت سے بالکل موزوں ہو اور ظاہر ہے کہ یہ بات تبھی ممکن ہو سکتی ہے جب مترجم کے زیرِ مطالعہ مختلف لغات رہی ہوں جس سے وہ حسبِ ضرورت اپنے مطلب کا لفظ چُن لیتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "He saw a man sitting on top of an empty hand-cart. He saw a man leaving against a lamppost, reading a newspaper. He saw a small boy pressing hi nose against the glass of a show-window. He saw a man trying to light a cigarette, his back against the wind. He saw a film actor Dilip Kumar pass by in a Cadillac."

ترجمہ: اس نے دیکھا خالی ہاتھ گاڑی پر ایک آدمی چڑھا ہوا بیٹھا ہے۔ ایک آدمی بجلی کے کھمبے سے ٹیک لگائے کھڑا اخبار پڑھ رہا تھا۔ دکان کے شیشے سے ناک بھڑائے ایک چھوٹا لڑکا اندر دیکھ رہا تھا۔ ہوا کے رُخ پشت کیے ایک شخص اپنی سگریٹ سلگانے کی کوشش میں تھا۔ اس نے ایکٹر دلیپ کمار کو اپنی کیڈلک کار میں گزرتے دیکھا۔ (مشکی ہرن)

اس اقتباس میں مترجم کی ماہرانہ چابکدستی کو قاری محسوس کر سکتا ہے۔ جزئیات نگاری کے ساتھ ساتھ پوری تصویر قاری کی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اسد محمد خان کے ان تراجم کو پڑھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ مترجم کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں بلکہ قاری اس کے برعکس مترجم کی قلم کی روانی اور آزادہ روی کو محسوس کر سکتا ہے۔ انھوں نے جہاں جہاں ضرورت محسوس کی وہاں وہاں وہ روانی کے ساتھ غیر محسوس انداز میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے ترجمے کا حق بھی ادا ہو جاتا ہے اور تحریر کی ادبی شان بھی برقرار رہتی ہے۔

اسد محمد خان نے ابتدا میں غیر زبانوں سے افسانوں کے جو ترجمے کیے ہیں، وہ مختلف ادبی رسائل میں چھپتے رہے۔ بعد میں ان کے طبع زاد افسانوی مجموعوں میں چھپتے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے بہت سے اردو کے تراجم پہلے پہل ان رسالوں اور ڈائجسٹوں میں چھپتے رہے۔ ان ڈائجسٹوں اور رسالوں نے افسانوں، کہانیوں کے تراجم کی رفتار تیز کر دی اور مختصر مدت میں مترجم نے افسانوں کا ایک بڑا ذخیرہ پیش کر دیا اور نئے نئے ترجمہ نویسوں کو ادب کی دنیا میں متعارف کرا دیا۔ وہ ایک پختہ کار مترجم کی طرح ایک زبان کے ادب کو دوسری زبان کے ادب میں اسی مہارت سے منتقل کرتا ہے گو یا وہ اس کی اپنی زبان میں لکھا گیا ہے۔ وہ ایک بااصول مترجم کی طرح کسی کہانی کے پلاٹ، کردار اور مرکزی کردار کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کا مجاز تو نہیں رکھتا مگر وہ ہنر مندانہ انداز سے حالات و واقعات کی کڑیاں اپنے ماحول میں جوڑتا اور مرتب کرتا ہے۔ ان کے ترجمہ شدہ افسانوں میں 'مشکی ہرن'، 'دعائے جنگ' اور 'لووینا' میں اس خصوصیت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

اسد محمد خان اپنے تراجم میں بھاری بھر کم الفاظ و تراکیب سے بچنے کی شعوری سعی کرتا ہے کیونکہ ایسے الفاظ افسانے کی قدر و قیمت میں ادبی لحاظ سے تو اضافہ کر سکتے ہیں مگر عام قاری ہمیشہ ایسے موقعوں پر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ بعض مترجمین کی طرح بے جا فلسفہ بھی شامل نہیں کرتا۔ وہ غیر ضروری الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتا ہے۔ انھوں نے جہاں اصل مصنف کی سوچ کی گھمبیرتا کو محسوس کیا ہے وہاں وہ مفہوم بھی سمجھ کر آسان لفظوں میں تحریر کرتا ہے۔ بعض مترجمین کی طرح وہ مکھی پر مکھی مارنے کا قائل نہیں کیونکہ اس سے روانی اور سلاست میں نہ صرف رکاوٹ پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کی سلاست بھی غارت ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے دماغ سے فیصلہ کرتا ہے کہ کہاں کہاں تبدیلیاں کرنی ہیں اور اپنے فن کا مظاہرہ انھیں کب اور کس موقع پر کرنا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر قمر رئیس، ترجمہ کا فن اور روایت، دہلی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۶ء، ص ۹

۲۔ اعجاز راہی، اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء، ص ۸

۳۔ نثار احمد قریشی، ترجمہ: روایت اور فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص ۱

۴۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اصناف ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۹۰

۵۔صفدر رشید، فنِ ترجمہ کاری، مباحث،اسلام آباد: پورب اکادمی،۲۰۱۵ء، ص ۱۱
۶۔عقیلہ اسماعیل، جمالیاتی ذوق کاامین مشمولہ رسالہ چہار سو، جلد ۱۷، شمارہ جنوری فروری ۲۰۰۸ء، ص ۲۵
۷۔اسد محمد خان، جو کہانیاں لکھیں، کراچی: اکادمی بازیافت،۲۰۰۶ء، ص ۶۹۳
۸۔اسد محمد خان کی ادبی خدمات، پی ایچ ڈی مقالہ، عبدالرحمان، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ،۲۰۱۶ء، ص ۴۰۳
۹۔اسد محمد خان، رسالہ چہار سو، جلد ۱۷، شمارہ جنوری فروری،۲۰۰۸ء، ص ۵
۱۰۔شمس الرحمان فاروقی، دریافت اور بازیافت مشمولہ فنِ ترجمہ کاری، مرتب: صفدر رشید،اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء، ص ۴۰
۱۱۔حسن الدین احمد، فنِ ترجمہ،اسلام آباد: پورب اکادمی،۲۰۱۵ء، ص ۷۵